قلوب کی فتح کیلئے اسلام کی عملی تعلیم کی پوری پابندی لازم ہے

(فرمودہ ۲۸ ؍جنوری ۱۹۳۸ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''قوموں کی ترقی کیلئے قومی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔کوئی ایک یا دو آدمی مل کر یہ کام نہیں کر سکتے ۔ کیونکہ افراد کے اخلاق کی حفاظت قومی اخلاق سے ہوتی ہے۔ اگر قومی طور پر اخلاق درست نہ ہوں تو صرف چند لوگ ہی جو علیحدگی اور خلوت میں زندگیاں بسر کریں اپنے اخلاق کو بچا سکتے ہیں دوسرے نہیں اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب قومی طور پر اخلاق میں بگاڑ پیدا ہو تو شہروں اور بستیوں کو چھوڑ کر پہاڑوں اور جنگلوں میں چلے جاؤ اور وہیں زندگی بسر کرو۔[1] اس کے معنے یہی ہیں کہ جب قومی اخلاق بگڑ جائیں تو افراد کے اخلاق درست نہیں رہ سکتے ۔اول تو اِرد گرد کے حالات کے اثر کی وجہ سے انسان کی طبیعت میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے اور اگر انسان اپنے اخلاق کو بیرونی اثرات سے بچا بھی لے تو اس کے بیوی بچوں کے اخلاق تو بوجہ کمیِ علم یا کم عمری کی وجہ سے ضرور ہی خراب ہو جاتے ہیں اور ایسے حالات میں چونکہ خطرہ ہوتا ہے کہ نیکی کا بیج ہی ختم نہ ہو جائے اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بستیوں اور شہروں کو چھوڑ کر کسی علیحدہ جگہ میں بیٹھ جاؤ ،اس کے سوا کوئی چارہ نہیں حالانکہ عام حالات میں آپ نے لوگوں سے ملنے جُلنے اور باہم تعلقات رکھنے کی تاکید فرمائی ہے مگر قومی اخلاق میں بگاڑ پیدا ہونے کی صورت میں خلوت کی زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمائی ہے

اور ایسے ہی موقع کیلئے یہ حکم ہے کہ لَا یَضُرُّکُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اھۡتَدَیۡتُمۡ۔[۲] جب خرابی عام ہو جائے تو انسان کو اپنے ایمان کے بچانے کی فکر کرنی چاہئے۔ اُس وقت اپنے ایمان کا بچانا ہی مقدم ہوتا ہے کیونکہ عام خرابیوں کو اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور مامورین ہی دور کر سکتے ہیں۔ اگر عام خرابی کی اصلاح کی افراد کوشش کریں تو اس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ ہوگا کہ وہ خود بھی ڈوب جائیں اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کبھی ایسا وقت آئے تو تم علیحدہ رہ کر اپنا ایمان بچاؤ۔

پس قومی اخلاق کی درستی ایک ایسی چیز ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر قوم میں جھوٹ عام ہو تو انسان خود خواہ کتنا ہی سچا کیوں نہ ہو اور وہ اس عام خرابی سے اپنے آپ کو کتنا ہی کیوں نہ بچائے، اس کی اولاد ضرور جھوٹ بولنے لگ جائے گی کیونکہ بچے اپنے ساتھ کھیلنے والوں سے اخلاق سیکھتے ہیں۔ انہیں عمر اور تربیت کے لحاظ سے دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلنے سے تو روکا نہیں جا سکتا۔ اگر انہیں گھروں میں بند کر کے رکھا جائے تو وہ سِل کا شکار ہو جائیں گے اور اگر آزادی دی جائے تو اخلاق خراب ہوں گے۔ گویا دونوں صورتوں میں خاندان کی موت ہی موت ہے۔ پس اس کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ قومی اخلاق کی درستی کیلئے کوشش کر کے انہیں بچایا جائے اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب ہر ماں اور ہر باپ اپنی ذمہ داری کو سمجھے لیکن اگر یہ خیال کر لیا جائے کہ ہماری اولاد کی ذمہ داری ناظر تعلیم و تربیت پر ہے تو ایسی قوم آج بھی ڈوبی اور کل بھی ڈوبی۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کُلُّکُمۡ رَاعٍ وَ کُلُّکُمۡ مَسۡئُوۡلٌ عَنۡ رَعِیَّتِہٖ[۳] یعنی تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور اس سے اس کی رعایا کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اور اس کی تشریح آپ نے یوں فرمائی کہ گھر کا مالک راعی ہے اور اس کے بیوی بچوں کے متعلق اس سے سوال کیا جائے گا۔ پس قومی اخلاق کی درستی کیلئے ہر فرد کا اس حیثیت کو اچھی طرح سمجھ لینا کہ وہ راعی ہے اور اس کی رعیت کے متعلق اُس سے سوال کیا جائے گا بہت ضروری ہے اور تمام افراد کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ہمارا فرض ہے کہ ہم دنیا کے سامنے ایسی پود اور ایسی نسل پیش کریں جو سچائی اور دیانت کی پابند اور محنت سے کام کرنے والی ہو۔ اور جو شخص یہ احساس

رکھتا ہے وہ ایسا سامان مہیا کرتا ہے کہ جس سے اخلاق درست ہو کر آئندہ نسلوں کی تربیت صحیح رنگ میں ہو سکے۔

تحریک جدید کے دوسرے دَور کے متعلق میں نے جو یہ کہا ہے کہ ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ دنیا میں اسلامی اخلاق قائم کرسکیں، یہ بات بھی اس کا ایک حصہ ہے۔ میں نے پچھلے سال بعض خطبات بیان کئے تھے جن میں بتایا تھا کہ زبانی دعوؤں سے ہم دنیا کو مرعوب نہیں کر سکتے۔ یہ کام عمل سے ہی ہوسکتا ہے۔ عقائد کے لحاظ سے ہم نے دنیا میں غلبہ حاصل کرلیا ہے مگر عملی لحاظ سے ابھی ایسا نہیں کر سکے۔ پس ہمیں سوچنا چاہئے کہ ابھی تک ہم ایسا کیوں نہیں کر سکے۔ اس کی ایک وجہ یہی ہے کہ ایمان سے عادت کا گہرا تعلق نہیں ہوگا مگر عمل سے ہوتا ہے مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا مسئلہ ہے۔ اس سے عادت کا کوئی تعلق نہیں۔ جس دن کسی شخص کے دماغ میں یہ بات آجائے کہ آپ فوت ہو گئے ہیں، اس کے بعد اس پر عادت کے حملہ کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہتا کیونکہ خیالات کا تعلق عادت سے بہت ہی کم ہوتا ہے اور جب خیال کی اصلاح ہو جائے تو عادت خود بخود پیچھا چھوڑ دیتی ہے۔ مگر عمل کے ساتھ عادت کا بہت گہرا تعلق ہے اس لئے صرف عقائد کی اصلاح سے اعمال کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ ایک کمزور احمدی سے بھی جب کوئی غیر احمدی پوچھتا ہے کہ سناؤ جی حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں یا زندہ ہیں؟ تو وہ یہی جواب دیتا ہے کہ فوت ہو گئے ہیں۔ جب کسی درمیانہ درجہ کے احمدی سے یہ سوال کرتا ہے تو وہ بھی یہی جواب دیتا ہے۔ کسی اعلیٰ درجہ کے احمدی سے سوال کرتا ہے تو وہ بھی یہی جواب دیتا ہے۔ کسی جاہل احمدی سے پوچھتا ہے تو وہ بھی یہی کہتا ہے اور کسی عالم سے پوچھتا ہے تو وہ بھی یہی بات قرآن کریم اور حدیث کی رو سے اسے سمجھاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ مگر جب سچ کے بارہ میں وہ ایک احمدی سے ملتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کیوں جی سچ بولنا چاہئے؟ تو وہ کہتا ہے ہاں ضرور چاہئے۔ خواہ کچھ ہو سچ بولنا ضروری ہے۔ پھر وہ کسی دوسرے احمدی سے ملتا اور پوچھتا ہے تو وہ کہہ دیتا ہے کہ ہاں سچ بولنا تو چاہئے مگر ہمارے جیسے کمزوروں سے کہاں بولا جاتا ہے۔ پھر وہ کسی تیسرے احمدی سے ملتا اور یہی سوال کرتا ہے تو وہ کہہ دیتا ہے کہ جی کہتے تو ہیں کہ سچ بولنا چاہئے مگر ہمیشہ سچ بولنے سے بھلا گزارہ ہوسکتا ہے۔ پھر

وہ ایک اور سے ملتا ہے تو وہ بات شروع کرنے سے بھی پہلے کہتا ہے کہ تم میری خاطر یہ جھوٹ بول دو اور یہ کہو اور یہ گواہی دو۔ تو اس پر لازماً یہی اثر ہوگا کہ جس بات پر یہ خود عملی طور پر قائم نہیں ہیں اس کے صحیح ہونے کا میں کیسے یقین کرلوں اور وہ خیال کرتا ہے کہ جو کہتا ہے ہر حال میں سچ بولنا چاہیئے اس کی بات کے صحیح ہونے کا کیا ثبوت ہے اور میں اس کی بات کو مان کر کیوں نقصان اٹھاؤں جبکہ دوسرے لوگ اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں اس لئے اس کی بات کا بھی جس نے ہر حال میں اسے سچ بولنے کی نصیحت کی اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

دیکھ لو عقائد کے بارہ میں جن باتوں پر ہماری جماعت مضبوطی سے قائم ہے ان میں ہمارے مقابل پر دوسرے لوگ بالکل گر گئے ہیں لیکن جن باتوں میں ہمارے علماء نے اختلاف کیا ہے وہ غیروں میں پھیل نہیں سکیں۔ انہوں نے تو یہ سمجھا کہ ہم نے جدت پیدا کی، نئی بات نکالی ہے۔ مگر یہ نہیں سوچا کہ اس جدّت سے انہوں نے احمدیت کی شوکت کو نقصان پہنچایا ہے اور ان کی اس جدّت کی وجہ سے وہ بات غیروں میں پھیل نہیں سکی۔ لیکن جن باتوں میں وہ متفق رہے ہیں وہ خوب پھیلی ہیں اور ایسی پھیلی ہیں کہ دشمنوں نے بھی ان کی مضبوطی کو تسلیم کرلیا ہے۔ اور گو وہ مخالفین کے ڈر کی وجہ سے انہیں عَلَی الْاِعْلان نہ مانیں مگر اپنی پرائیویٹ مجالس میں وہ اکثر ان کو تسلیم کرلیتے ہیں۔ مجھے ایک دوست نے جو اَب مخلص احمدی ہیں، جب وہ ابھی غیر احمدی تھے سنایا تھا کہ ایک دفعہ وہ صاحبزادہ سر عبدالقیوم صاحب کے پاس جو صوبہ سرحد میں پہلے وزیر اعظم تھے اور حال میں فوت ہوئے ہیں بیٹھے تھے۔ تو سر موصوف نے کہا کہ مرزا صاحب اپنے آپ کو نبی کہتے ہیں اس لئے ان کی بات تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ اگر وہ اپنے آپ کو مجدد منوائیں تو ماننے کو تیار ہیں۔ اس دوست نے جو خود بھی ایک بڑے عُہدہ پر ہیں اور انجینئر ہیں سنایا کہ میں نے ان سے کہا کہ واہ صاحبزادہ صاحب آپ یہ بات کیا کرتے ہیں۔ مَیں تو مرزا صاحب کو اگر نہیں مانتا تو اس لئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص آ ہی نہیں سکتا۔ قرآن کریم کے بعد ہمیں کسی اور الہام کی ضرورت نہیں لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی شخص آسکتا ہے تو پھر یہ اعتراض کیسا بے معنٰی ہے کہ وہ نبی ہے یا کیا ہے۔ خدا تعالیٰ جس کو بھیجے گا اس کا عُہدہ وہ مقرر کرے گا یا ہم کریں گے؟ جب انہوں

نے یہ واقعہ مجھے سنایا اُس وقت تک وہ غیر احمدی ہی تھے اور اپنے عقائد پر پختہ تھے لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے ان کا دل کھول دیا اور وہ احمدی ہوگئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے مخلص احمدی ہیں۔

اب دیکھو وہ جس نتیجہ پر پہنچے وہ وُہ نہیں تھا جس پر شروع میں غیر احمدی پہنچے تھے۔ یہ تغیر ان کے اندر درحقیقت اُس مخفی اثر سے پیدا ہوا جو احمدیوں کے دلائل کی وجہ سے تعلیم یافتہ مسلمانوں میں پیدا ہو رہا تھا اور روز بروز پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عام طور پر نبوت کے مسئلہ میں ہی ہماری مخالفت زیادہ ہے۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ تعلیم یافتہ طبقہ میں یہ خیال بھی پیدا ہو رہا ہے بلکہ اس طبقہ کی مخالفت کی بنیاد ہی اب یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی آ ہی نہیں سکتا کیونکہ اگر کوئی آ سکتا ہے تو وہ نبی بھی ہوسکتا ہے اس لئے وہ کہتے ہیں کہ کوئی آ ہی نہیں سکتا۔ ماموروں مجدد یا نبی کا کوئی سوال ہی نہیں ہم کسی کی آمد کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اور حقیقتاً عقلی طور پر یہی ایک پہلو ہے جو ان کے بچاؤ کا ہوسکتا ہے کیونکہ جب کوئی کہے کہ مرزا صاحب کا نبوت کا دعویٰ غلط ہے، وہ مجدد ہو سکتے ہیں تو ہماری طرف سے جھٹ یہ جواب دیا جاتا ہے کہ کیا مجدد بھی جھوٹ بول سکتا ہے۔ اس پر ساری مجلس ہنس پڑتی ہے کہ اس نے کیسی پاگل پن کی بات کی کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ کوئی آ سکتا ہے تو پھر یہ کہنا کہ جو آیا ہے اس کا نبوت کا دعویٰ غلط ہے، ایک بیہودہ بات ہے کیونکہ جو آئے گا وہ ضرور سچ بولے گا۔ اگر کوئی شخص یہ مان لے کہ حضرت مرزا صاحب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو پھر آپ جو دعویٰ کریں وہ ماننا پڑے گا۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''فتح اسلام'' اور ''توضیح مرام'' کتابیں لکھیں تو حضرت خلیفۃ المسیح الاول کا کوئی دوست ان میں سے کسی کتاب کا کوئی پروف لے گیا اور کہنے لگا کہ اب نورالدین مرزا صاحب کو چھوڑ دے گا کیونکہ اور تو خواہ کچھ ہو اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت ہے اور مرزا صاحب نے اس میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ جب یہ کتاب میں نے سامنے رکھی وہ فوراً مرزا صاحب کو چھوڑ دے گا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل فرمایا کرتے تھے کہ وہ شخص ایک جتھا بنا کر میرے پاس آیا۔ سب لوگ بیٹھ گئے۔ میں نے بھی سمجھا کہ آج کوئی خاص بات ہے جو یہ سب لوگ اکٹھے ہوکر آئے ہیں۔

آخر اُس نے جیب سے کاغذ نکالا اور کہا کہ آپ جو مرزا صاحب کو مانتے ہیں تو اسی لئے نا کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں لیکن اگر وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی بات کہیں مثلاً یہ کہیں کہ وہ نبی ہیں تو پھر تو آپ ان کو نہیں مانیں گے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے فرمایا کہ نہیں میں نے مرزا صاحب کو خدا تعالیٰ کی طرف سے مانا ہے اگر وہ کوئی ایسی بات کہیں گے جو میرے پہلے عقیدہ کے خلاف ہے تو میں یہ سمجھوں گا کہ میرا پہلا عقیدہ غلط تھا اور جو بات مرزا صاحب کہتے ہیں وہ درست ہے۔ جب میں نے یہ مان لیا کہ مرزا صاحب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو پھر ان کا حق ہے کہ وہ اپنے عقائد مجھ سے منوائیں۔ میرا حق نہیں کہ میں ان کو اپنے عقائد کے تابع کروں۔ اس پر وہ شخص مایوس ہو کر اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا کہ بس جی چلو مولوی صاحب بہت آگے نکل چکے ہیں اور ان کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

حق یہی ہے کہ جب یہ مان لیا جائے کہ کوئی شخص واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو پھر وہ جو بھی کہے اُسے ماننا پڑے گا۔ اور جسے خدا تعالیٰ کی طرف سے کسی بات کے کہنے کا حق نہ ہو اُس کی چھوٹی سے چھوٹی بات کا بھی موازنہ کیا جائے گا۔ اصل سوال یہی ہے کہ جو شخص کھڑا ہے اُسے اللہ تعالیٰ نے کیا پوزیشن دی ہے۔ اگر تو یہ پوزیشن ہے کہ اس کی ہر بات مانی جائے تو پھر ہر بات ماننی پڑے گی۔ اگر یہ ہے کہ ایک خاص دائرہ میں اس کی بات ماننی چاہئے تو پھر اُس دائرہ میں اُس کی بات ماننی پڑے گی اور اگر یہ ہے کہ اُس کی کسی بات کا ماننا بھی ہمارے لئے ضروری نہیں تو پھر اس کی جس بات کو عقلِ سلیم تسلیم کرے گی وہ ہم مانیں گے باقی کو ردّ کر دیں گے۔ غرض اب تعلیم یافتہ طبقہ غیر احمدیوں کا یہ سمجھتا جا رہا ہے کہ نبوت کا مسئلہ اپنی ذات میں اہم مسئلہ نہیں اور وہ اس میں اپنی کمزوری کو تسلیم کرنے لگے ہیں اور ان کو یہ احساس ہو رہا ہے کہ ہم جو عقائد پیش کرتے ہیں انہیں خاص اہمیت حاصل ہے اور اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے جواب کیلئے انہیں اب اپنے پہلے مقام کو بدلنا چاہئے۔ مگر عمل کے میدان میں ابھی یہ بات ہمیں حاصل نہیں ہو سکی اور اس کی وجہ یہی ہے کہ عقائد میں ہمارا ہر شخص خواہ وہ مضبوط ہو یا کمزور، جاہل ہو یا عالم، چھوٹا ہو یا بڑا، بوڑھا ہو یا جوان یا بچہ، مرد ہو یا عورت سب ایک ہی بات کہتے ہیں۔ مگر عملی باتوں میں آکر دوسرے لوگ دیکھتے ہیں کہ سب ایک جیسے نہیں ہیں۔ لڑکیوں کو ورثہ میں حصہ

دینے کا سوال آتا ہے تو ہم میں سے بعض کہہ دیتے ہیں کہ ہم لڑکیوں کو حصہ دے کر اپنی زمینیں خراب کر لیں تو دوسرے شخص پر بھی یہی اثر ہوتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم ایسی ہے جس سے نقصان کا اندیشہ ہے۔ یا جب سچ بولنے کا موقع آتا ہے تو ایک احمدی کہہ دیتا ہے کہ ''جی سارے اے ہی کہندے ہندے نے۔ پرکدی سچ نال ہر ویلے گذارہ ہنداا ے'' یعنی منہ سے تو سچ بولنے کی تاکید ہر کوئی کر دیتا ہے مگر کیا ہمیشہ سچ بولنے سے دنیا میں گزارہ چل سکتا ہے اس لئے سننے والا خیال کرتا ہے کہ جو کہتا ہے ضرور سچ بولنا چاہئے، ممکن ہے وہی غلطی پر ہو۔ میں اس کے پیچھے لگ کر کیوں خواہ مخواہ اپنا نقصان کروں۔ شبہ سے ایمان اور یقین دوسرے کے دل میں پیدا نہیں ہوسکتا۔ یہ اُسی وقت ہوتا ہے جب اپنے دل میں بھی ایمان اور یقین ہو۔ اور جو شخص خود عمل نہیں کرتا اس کے معنے یہی ہیں کہ اس کے دل میں قرآن کریم پر ایمان نہیں۔

ایک دفعہ ایک آدمی میرے پاس آیا اور سوال کیا کہ قرآن کریم سے مرزا صاحب کی صداقت کا کوئی ثبوت پیش کریں۔ ایسے لوگ اکثر آتے رہتے ہیں مگر یہ جس کا میں ذکر کر رہا ہوں سال دو سال کی بات ہے کہ میرے پاس آیا اور کہا کہ قرآن سے کوئی ثبوت دیں۔ میں نے کہا کہ سارا قرآن ہی آپ کی صداقت کا ثبوت ہے۔ اس نے کہا کہ آپ کوئی آیت پیش کریں۔ میں نے کہا کہ آپ کوئی آیت لے لیں۔ وہ کہنے لگا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۹ [4] اس سے ثابت کریں۔ میں نے کہا اس سے بھی ثابت ہے اور میں نے اسے بتایا کہ اس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت اس رنگ میں ثابت ہوتی ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ایسے لوگ تھے جو ایمان کا دعویٰ تو کرتے تھے مگر دراصل وہ مومن نہ تھے اور اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسے لوگ تھے تو اب کیوں نہیں ہو سکتے۔ آپ لوگ یہی کہتے ہیں کہ جب قرآن کریم موجود ہے اور ہم سب ایمان لا چکے ہیں تو اب کسی اور کے آنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ منہ سے کہنے کے باوجود مومن نہیں ہوتے۔ تو یا تو مسلمان قرآن کریم کی اس بات کا انکار کر دیں یا پھر ماننا پڑے گا کہ محض منہ سے کہہ دینے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اگر امت محمدیہ اسی طرح بگڑ جائے جس طرح

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض لوگ تھے تو کیا ایسے لوگوں کے علاج کیلئے کوئی انتظام ہونا چاہئے یا نہیں؟ اور قرآن کریم کہتا ہے کہ ایسے لوگ ہوتے رہیں گے۔ پس صاف بات ہے کہ ان کے لئے معالج بھی آتے رہیں گے۔ میں نے جب یہ بات اس سے کہی کہ قرآن کریم کی جو آیت چاہو لے لو اس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت ثابت ہوتی ہے تو اس یقین کے ساتھ کہی تھی کہ جب قرآن کریم نبوت کی تائید کرتا ہے تو ضرور اس کی ہر آیت سے نبی کی صداقت ثابت کی جاسکتی ہے اس لئے وہ جو آیت پڑھتا میں اسی سے ثابت کر دیتا۔ وہ اگر ورثہ کی آیت پڑھتا تو بھی میں اسی سے ثابت کر دیتا کیونکہ جو کلام نبوت کی تائید کرے گا اس سے ہر نبی کی صداقت ثابت ہوگی اس لئے میں نے جب یہ بات اس کے سامنے بیان کی تو مجھے اس میں کوئی شُبہ نہیں تھا اور میرے دل میں اس بات کا پورا پورا یقین تھا لیکن جب اپنے دل میں یقین نہ ہو تو بڑی سے بڑی بات بھی غیر مفید ہوگی۔

ہماری جماعت میں ایک بڑے مولوی تھے جو عالم تھے مگر بولنے میں وہ کچے تھے۔ میں نے خود بھی ان کو کئی مرتبہ گفتگو کرتے سنا۔ کوئی اعتراض کرتا تو وہ ہنس کر کہہ دیا کرتے تھے کہ ''لے ہن اے اعتراض کر دتا''۔ یعنی لو اب یہ اعتراض کیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب وفاتِ مسیح کیلئے تیس آیات پیش فرمائیں تو وہ بہت خوش ہوئے۔ ایک شخص سے ان کی وفات مسیح کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ اس نے پوچھا کہ کیا قرآن کریم کی کسی آیت سے بھی وفات مسیح کا ثبوت ملتا ہے، وہ کہنے لگے کسی ایک آیت سے کیا تیس آیات سے یہ ثابت ہے۔ اس نے کہا اچھا کوئی ایک پیش کریں۔ انہوں نے ایک آیت پیش کی۔ اس نے اس پر کوئی اعتراض کیا تو کہنے لگے اچھا اسے چھوڑ واَور لو اور دوسری آیت پیش کر دی۔ اس نے اس پر بھی ایک اعتراض کر دیا۔ تو کہنے لگے اچھا لو اَور آیت سن لو۔ اس طرح سب کی سب آیات ختم ہوگئیں اور وہ منہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ تو جب انسان خود یقین سے بات پیش نہ کرے دوسرے پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔ یقین سے ہی سب کامیابی ہوتی ہے۔ دیکھو یقین تو کُتّے اور بِلّی کا بھی کام آجاتا ہے۔ کُتّا، بِلّی اور شیر وغیرہ وحشی جانور لڑتے بہت کم ہیں۔ صرف غوں غوں کر کے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ اور پھر ایک ڈر کر چلا جاتا ہے۔ وہ غوں غوں سے ایک دوسرے کے

یقین کا پتہ لگا لیتے ہیں اور جو دوسرے کی غوں غوں کو زیادہ یقینی دیکھتا ہے وہ بھاگ جاتا ہے۔

تو طاقت ہمیشہ دل کے ایمان اور یقین سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے ہماری جماعت کے دوستوں کو چاہیئے کہ اپنے دلوں میں ایمان اور یقین پیدا کریں۔ وہ پہلے یہ فیصلہ کرلیں کہ قرآن کریم نے جو تعلیم دی ہے وہ صحیح ہے یا نہیں۔ قرآن کریم کہتا ہے سچ بولو۔ وہ یہ فیصلہ کرلیں کہ قرآن کریم نے یہ حکم دیا ہے یا نہیں؟ اور آیا وہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ پھر اگر ٹھیک ہے تو اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جائیں اور اپنی اولادوں کے اندر بھی اسے قائم کریں۔ اسی طرح دیانت کا حکم ہے۔ وہ دیکھ لیں کہ قرآن کریم کا یہ حکم ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو پھر خود بھی اس پر عمل کریں اور اپنی اولادوں کے اندر بھی اسے پیدا کریں۔ اور اگر وہ اپنی اولادوں کی اصلاح کی طرف ہی توجہ کریں تو یہ چیزیں اگر ان کے اپنے اندر نہ بھی پیدا ہوسکیں تو بھی وہ اپنی اولادوں میں تو ضرور پیدا کر سکتے ہیں۔ اگر ان سے خود بوجہ اس کے کہ وہ غیر احمدیوں میں سے آئے ہیں کمزوری بھی ہے تو بھی وہ اپنے بچوں کو یہ باتیں ضرور سکھا سکتے ہیں۔ اور اگر وہ ایسا کر دیں تو ہماری آئندہ نسل ضرور دنیا پر غالب آجائے گی اور سب کے دلوں کو موہ لے گی۔ یہ مضمون پہلے بھی میں نے ایک خطبہ میں شروع کیا تھا اور آج بھی اسے بیان کرنے کا ارادہ تھا مگر معلوم نہیں کہ کیا وجہ ہے کہ صبح سے مجھے دورانِ سر کی تکلیف ہے جو پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہؤا کرتی تھی۔ مجھے بھی صبح سے سر میں چکروں کی تکلیف ہے اور زیادہ کھڑا نہیں ہوسکتا اس لئے لمبا خطبہ نہیں بیان کرسکتا۔ صرف یہ کہتا ہوں کہ جب تک ہماری جماعت اس بات کیلئے کھڑی نہ ہو کہ اسلام کی اصولی اور ابتدائی باتیں جن میں سے دو مَیں نے آج بھی بیان کی ہیں، اپنی اولادوں کے دلوں میں داخل کر دے، اُس وقت تک کبھی احمدیت دنیا میں عملی طور پر قائم نہیں ہو سکے گی اور جب یہ باتیں پیدا ہو جائیں تو عملی مخالفت بھی خود بخود گر جائے گی۔

دیکھو ایک جانور کے محض یقین کے ساتھ غرانے سے اس کے مقابل کے جانور بھاگ جاتے ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ تمہارے دلوں کا یقین تمہارے مخالفوں کے دلوں پر اثر نہ کرے۔ جب تم اس یقین اور ایمان کو لے کر کھڑے ہو گے کہ اسلام کی تعلیم صحیح ہے اور تم نے

اسے دنیا میں قائم کر کے رہنا ہے تو تمہارے مخالف یقیناً دُم دبا کر بھاگ جائیں گے اور کہیں گے کہ اچھا پھر تم اس تعلیم کو قائم کرلو۔ اور جس دن تمہارے اپنے دلوں میں یقین پیدا ہو جائے گا دوسروں کے دلوں میں خود بخود تمہارے لئے قبولیت کا مادہ پیدا ہو جائے گا اور وہ مخالفت چھوڑ کر جس طرح عقائد میں تمہارے پیچھے چل پڑے ہیں، اعمال میں بھی چل پڑیں گے۔''

(الفضل ۵؍فروری ۱۹۳۸ء)

---

۱ بخاری کتاب الرقاق باب اَلْعُزْلَةُ رَاحَةٌ مِنْ خُلَّاطِ السُّوءِ (مفہوماً)

۲ المائدة:۱۰۵

۳ بخاری کتاب النکاح باب اَلْمرْءَ ةُ رَاعِیَةٌ فِیْ بَیْتِ زَوْجِھَا

۴ البقرة:۹